خورشید احمد ندیم

مذہب اور عقل عام

عام آدمی سے اسلام کے عملی مطالبات، عقل عام کے ہر معیار پر پورا اترتے ہیں۔ یہ ہمارے واعظ ہیں جنھوں نے زیب داستاں کے لیے ان کی نوعیت کو یکسر بدل دیا ہے۔ ان کی تفہیم دین پر انحصار کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب، عقل عام سے متصادم یا ناقابل عمل ہے۔

ہر جمعہ کو اس بات کا تکلیف دہ حد تک احساس ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ جمعہ کی نماز کے لیے خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ جس طرح عرب میں نماز پنج گانہ وہاں کے کلچر کا حصہ ہے، اسی طرح جمعہ ہمارا کلچر ہے۔ اگر کسی کو نماز کی توفیق نہ ہو تو وہ اتنا اہتمام ضرور کرتا ہے کہ اِس دن شلوار قمیص پہن لیتا ہے۔ اس کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ یہ اسلامی لباس ہے۔ یوں، وہ انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ تاہم اکثریت جمعہ کی نماز پڑھتی ہے۔ ہمارے واعظ کی، مگر یہ خواہش ہے کہ جو نماز جمعہ کے لیے مسجد کا رخ کرتا ہے، اس کو اتنا زچ کیا جائے کہ کم از کم اگلے سات دن مسجد سے دور رہے۔

جمعہ کے اجتماعات کے لیے اکثر مساجد چھوٹی پڑ جاتی ہیں، بالخصوص وہ جو عوامی مقامات پر تعمیر کی جاتی ہیں، جیسے مارکیٹ اور بازار۔ جب جمعہ کے لیے لوگ مسجد کا رخ کرتے ہیں تو عام طور پر سڑکوں اور راستوں پر صفیں بچھا دی جاتی ہیں۔ اس سے چند مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے معمول کی ٹریفک رک جاتی ہے یا موسم کی شدت سے بچنے کا انتظام نہیں ہوتا، گرمیوں میں سایہ نہیں ہوتا اور بارش میں سائبان نہیں ملتا۔ اب عقل عام کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو تاکہ معمول کی زندگی متاثر نہ ہو اور لوگ بھی موسم کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ خطیب کو، مگر اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ بارہا مشاہدہ ہوا کہ نماز وقت پر کھڑی نہیں ہوتی۔ نماز جمعہ کا وقت

ہو جاتا ہے، لوگ بے چینی کے ساتھ بار بار گھڑی دیکھتے ہیں، مگر واعظ کی شعلہ بیانی اور خوش الحانی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ بعض اوقات بارش ہو رہی ہوتی ہے اور نماز کے بعد کی دعا بھی طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ باہر کھڑے لوگوں کا نماز میں کوئی دھیان نہیں ہوتا۔ ان کی ساری توجہ اس پر ہوتی ہے کہ کب نماز ختم ہو اور وہ بھاگیں۔ اس میں تشویش کی بات یہ ہے کہ کوئی نمازی اس جانب توجہ دلانے کی کوشش کرے تو مداخلت فی الدین کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ بعید نہیں کہ اس پر توہین مذہب کا الزام بھی لگ جائے۔ یہ الزام ایک عام آدمی کو کس انجام سے دوچار کر سکتا ہے، اس کا خیال ہی لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ اس لیے لوگ تنگ ہونے کے باوجود بولنے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہ رویہ دین کے احکام کی صریح خلاف ورزی اور حکمت کے خلاف ہے۔ عہد رسالت میں خواتین باقاعدگی سے مسجد آیا کرتی تھیں اور ان کے شیر خوار بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ اگر کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں پڑتی تو نماز کو مختصر فرما دیتے کہ بچہ تادیر تکلیف میں رہے اور نہ ماں کا دھیان نماز سے ہٹے۔ آپ نے وعظ و نصیحت کو مختصر رکھنے کی تلقین فرمائی کہ مخاطب کے لیے باعث اذیت نہ ہو۔ صحابہ کا طرز عمل بھی ایسا ہی تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' میں اس کے بہت سے شواہد جمع کر دیے ہیں۔

فن خطابت اور تقریر سے مجھے بچپن ہی سے شغف ہے۔ یہ ایک اچھے خطیب کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ سامعین کے چہروں سے ان کی دل چسپی کا اندازہ کر لیتا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا کہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ مزید سننا چاہتے ہیں یا ان کے چہرے بات کو مختصر کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے موضوع کا انتخاب لوگوں کے چہرے دیکھ کر کرتا ہوں۔ جمعے کے اجتماعات میں حاضرین کے چہرے پکار پکار کر اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ خدارا! مختصر کیجیے، بلکہ بعض تو احتجاج کی طرف مائل ہوتے ہیں، مگر ہمارے واعظین ان سے بے نیاز کلام کو طول دیے جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان خطبا کا اپنے سامعین سے گفت و شنید کا کوئی باہمی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ یہ صرف سمع خراشی ہوتی ہے۔ اس طرز عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ دین سے بے زار کرنے کا باعث بنتا ہے۔

اسی طرح پنج گانہ نماز دین کا حکم ہے۔ یہ بھی عقل عام پر مبنی ہے۔ دین کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بندے ہیں اور ہمیں اسی احساس بندگی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ نماز اس کی یاد دہانی ہے۔ اس کی رکعتیں مختصر ہیں۔ اس کے احکام بھی فرد کے حالات کی نسبت سے دیے گئے ہیں۔ وضو نماز کے لیے ضروری ہے۔ عام حالات میں اس کا پورا اہتمام ہو گا، تاہم موسم کی شدت، بیماری یا کسی غیر معمولی مصروفیت یا سفر کے باعث اس میں تخفیف کر دی گئی ہے اور اجازت دی گئی ہے کہ تیمم کیا جا سکتا ہے یا وضو کرتے وقت جرابوں پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دو نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں۔ سفر اور بیماری میں فرض نماز کی رکعتیں بھی کم کی جا سکتی ہیں۔ اس معاملے کو بھی، مگر اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ عقل عام نے اس پر سوالات اٹھانے شروع کر دیے ہیں۔ اگر آج لوگوں کو نماز کی ادائیگی مشکل لگتی ہے تو اس کی کوئی ذمہ داری دین پر نہیں ہے، یہ بھی واعظین ہی کی عطا ہے، جنھوں نے اسے مشکل بنا دیا ہے۔

عزیمت کا راستہ ہر کسی کے لیے کھلا ہے۔ انسانوں میں ایسے بھی ہیں جو تہجد کے وقت اٹھتے اور اس کے حضور میں حاضری دیتے ہیں۔ صائم الدہر بھی ہیں جو اکثر روزے کی حالت میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں بہت محبوب ہیں۔ وہ ان کی قدر کرتا ہے اور یقیناً ان کا اجر بھی زیادہ ہے۔ تاہم انسانوں کا پروردگار، عام حالات میں انسانوں سے جو بنیادی مطالبات کرتا ہے، ان پر عمل بہت آسان ہے۔ خاص طور پر عبادات۔ پھر ان احکام میں ترجیحات بھی ہیں۔ کچھ زیادہ اہم ہیں، کچھ کم، تاہم یہ اس وقت میرا موضوع نہیں۔ افراط و تفریط کے ضمن میں یہ ایک دوسرا طرز عمل ہے، جسے حضرت مسیح علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ تم مچھر چھانتے اور اونٹ نگلتے ہو۔ یعنی دین میں اہم احکام کو نظر انداز کرنا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر زیادہ اصرار کرنا، اس نے بھی دین کو عقل عام کے بالمقابل لا کھڑا کیا ہے۔

فکری مباحث اپنی جگہ، مگر پاکستان میں عام آدمی کو اس بات کی تعلیم دینا اشد ضروری ہے کہ دین پر عمل سہل ہے۔ یہاں دین چونکہ نجی شعبے کے پاس ہے، اس لیے علما کی زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو ان زنجیروں سے آزاد کریں جو غیر ضروری طور پر انھیں مذہب کے نام پر پہنائی گئی ہیں۔ یہاں ایک تحریک اٹھنی چاہیے: 'دین آسان ہے'۔ لوگوں کو باور کرایا جائے کہ دین عقل سلیم کے مطابق ہے اور انسانوں سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتا جو غیر معقول ہے۔ اگر عوام کو کوئی ایسی بات بتائی جاتی ہے تو یہ کسی کا سوء فہم ہو گا، دین اس سے بری ہے۔

اس تحریک کا آغاز نماز جمعہ کے معاملے میں عقل عام کے استعمال سے ہونا چاہیے۔ مدرسے میں تعلیم کے

مرحلے میں، اگر حکمت دعوت کو بھی موضوع بنایا جائے تو شاید کچھ بہتری آ سکے، کیونکہ مسجد کے منبر پر بیٹھنے والا، بالعموم مدرسے کا فارغ التحصیل ہوتا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۱۸/ فروری ۲۰۲۳ء)

صدقہ

''اللہ کی راہ میں انفاق کا ایک درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال میں سے فرض زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی ذاتی اور کاروباری ضرورتوں سے زیادہ جو کچھ ہو، اُسے معاشرے کا حق سمجھے اور جب کوئی مطالبہ سامنے آئے تو اُسے فراخ دلی کے ساتھ پورا کر دے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشوں کو دبا کر اور اپنی ضرورتوں میں ایثار کر کے بھی وہ دوسروں کی ضرورتیں پوری کرے۔ یہی وہ چیز ہے جسے قرآن نے 'وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'* (اور اُنھیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود ضرورت مند ہوں) کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ صدقہ دینے والوں کی تعبیر اِن سب صورتوں کو شامل ہو سکتی ہے، لیکن بیان اوصاف کے موقع پر جب کسی شخص کو 'مُتَصَدِّق' کہا جائے گا تو اِس سے اشارہ اصلاً اُس کے درجۂ کمال کی طرف ہو گا۔ یعنی جو سخی اور فیاض ہو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔ بندوں کے تعلق سے یہ اُسی خشوع کا ظہور ہے جو اِس سے پہلے مذکور ہے۔ نماز اور انفاق کا ذکر قرآن میں اِسی بنا پر ساتھ ساتھ آتا ہے۔'' (میزان ۲۵۵)

---

* الحشر ۵۹: ۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org